ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر غلام عباس❁

سجاد باقر رضوی کی تنقید نگاری
(دبستانِ حسن عسکری کے تناظر میں)

Criticism of Sajjad Baqir Rizvi: An Analysis of Dabistan Hassan Askari

By *Dr. Ghulam Abbas, Principal, Govt. Associate College, Shadan lund, Dera Ghazi Khan*

Abstracts

Prof. Sajjad Baqir Rizvi is a great scholar of Urdu literature. He is a fine poet, extraordinary translator, genius researcher and noble critic. He is a profound scholar and his command on knowledge is not limited only to literature but also covers philosophy, psychology, sociology, political science, history and mysticism. He has a command on Urdu and English languages. He was influenced not only from progressive school of thought but also the influence of Muhammad Hassan Askari can be traced on him. He not only accepts all the ideas of Hassan Askari but many times we can also see him openly criticising the views of Askari. In this article it has been tried to highlight the influence of Hassan Askari's ideas and views on Baqir Rizvi.

Keywords: Sajad Baqir Rizvi, Criticism, impact, ideas, Muhammad Hassan Askari

❁پرنسپل، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، شادن لمبڑ ، ضلع ڈیرہ غازی خان

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

پروفیسر سجاد باقر رضوی اردو کے بڑے ادیب ہیں۔ آپ ایک اچھے شاعر، اعلیٰ مترجم، زیرک محقق اور صاحب رائے نقاد ہیں۔ آپ حقیقی معنوں میں وسیع المطالعہ ادیب ہیں اور آپ کا مطالعہ محض ادب کے دائرے تک محدود نہیں تھا بلکہ فلسفہ، نفسیات، عمرانیات، سیاسیات، تاریخ اور تصوف تک آپ کی واقفیت کافی سے زیادہ تھی۔ آپ اردو اور انگریزی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ جہاں آپ ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوئے وہاں آپ محمد حسن عسکری کے اثرات سے بھی بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں باقر رضوی صاحب پر حسن عسکری کے خیالات و نظریات کی جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

باقر رضوی ایک صاحب الرائے تنقید نگار ہیں تو جہاں عسکری صاحب کے تصورات سے باقر صاحب کو اختلاف نظر آیا تو ان سے کھل کر اختلاف کرتے ہوئے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ قبل اس کے ہم سجاد باقر رضوی کے خیالات زیرِ بحث لائیں؛ حسن عسکری کے تصورات کا جائزہ پیش کرنا بھی ضروری ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے دبستان کے اہم ترین نقادوں کی فہرست بھی زیرِ بحث لانی چاہیے۔

محمد حسن عسکری بلاشک وشبہ جدید اردو ادب کی اہم شخصیت شمار ہوتے ہیں۔ تنقید میں انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی تنقید بیسویں صدی کے اردو ادب میں گہرے علمی انہماک اور غیر معمولی تنقیدی بصیرت کی نادر مثالیں فراہم کرتی ہے۔ عسکری صاحب کی تنقید کے موضوعات کا پھیلاؤ دیدنی ہے: تہذیبی مسائل ہوں یا تصوف، شاعری ہو یا افسانوی ادب، مصوری ہو یا موسیقی، فن تعمیر ہو یا فلم اور فوٹو گرافی، عسکری صاحب کا زیرک ذہن ہمیشہ نئے مباحث پیدا کرتا رہا اور یوں ایک پوری نسل کو ادب کے بارے میں نئی معلومات فراہم کیں اور آج ان کی وفات کے ربع صدی بعد بھی ان کے تنقیدی خیالات پر بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کی اہم وجہ حسن عسکری صاحب نے اپنی زندگی میں ادبی اور فنی مسائل پر بڑے مدلل و مبسوط انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ وہ اپنی زندگی میں بھی اپنی تحریروں سے لوگوں کے ذہنوں میں فکری تموج پیدا کرتے رہے ہیں اور آج بھی ان کی تحریریں اپنے قارئین کو اکساتی رہتی ہیں کہ وہ ان کے بارے میں کچھ ضرور کہیں۔ عسکری صاحب کی مختلف اوقات میں آرا تبدیل ہوتی رہی ہیں اور ان فکری تبدیلیوں کو حسن عسکری مستحسن تصور کرتے ہوئے کھلے دل سے تسلیم کرتے آئے ہیں؛ وہ اس تبدیلی کو زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ پچھلے باب میں ان کی اس تبدیلی کو تفصیل سے زیرِ بحث لایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تنقیدی خیالات کا ردعمل بھی شدید انداز میں سامنے آیا۔ یہ درست ہے کہ حسن عسکری معدودے ان چند نقادوں میں ہیں کہ جن کی حمایت اور مخالفت میں لکھی گئی تحریروں کی تعداد خود ان کی اپنی تحریروں سے زیادہ ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

عسکری صاحب کے تصورات کی توسیع کے باب میں ذیل کے اہم اور سرکردہ ناقدین کی تنقیدی کاوشیں بہت اہمیت کی حامل ہیں:

(الف) سلیم احمد، مظفر علی سید، ممتاز شیریں، سجاد باقر رضوی۔

(ب) شمیم احمد اور جمال پانی پتی

(ج) سراج منیر، تحسین فراقی

(د) شمس الرحمٰن فاروقی، شمیم حنفی، اور ابو الکلام قاسمی

محمد حسن عسکری کے نظریات کی توسیع میں جہاں اہم ترین اردو ناقدین پیش پیش رہے وہاں عسکری صاحب سے کھل کر اختلاف کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ ترقی پسند ناقدین بالخصوص اور کچھ انفرادی اہمیت کے حامل نقاد بھی عسکری صاحب کے خیالات سے مختلف اپنا نقطہ نظر پیش کرتے آئے ہیں جن میں پروفیسر محمد ارشاد، پروفیسر محمد عثمان قابل ذکر ہیں۔ ترقی پسندوں میں سبط حسن، ممتاز حسین، شہزاد منظر اور محمد علی صدیقی بہت اہم ہیں۔ علاوہ ازیں حسن عسکری کے اپنے دوستوں میں انتظار حسین صاحب، جمیل جالبی، سہیل احمد خان اور فتح محمد ملک نے بھی بہت باتوں میں اتفاق کے ساتھ ساتھ کھل کر اختلاف بھی کیا ہے۔ اب ضروری یہ ہے کہ کیوں نہ ہم پہلے ایک خلاصہ عسکری صاحب کے تصورات کا پیش کر دیں تا کہ بعد میں سید سجاد باقر رضوی کے تصورات کا تجزیہ بہتر طور پر کر سکیں۔

عسکری صاحب کے تصورات کا خلاصہ کیا جائے تو کچھ یوں ہو گا۔

- آپ ''ادب برائے ادب'' کے دلدادہ ہیں مگر اس ادب میں انھیں مکمل زندگی کی عکاسی نظر آتی ہے۔
- وہ ''ادب برائے زندگی'' کے ادیبوں سے شکوہ کناں ہیں کہ ان کے ہاں زندگی کا صرف نعرہ پیٹا جاتا ہے وہ ایک پہلو کو سامنے رکھتے ہیں لیکن زندگی کی ساری کیفیات اور حقیقی زندگی کی پیش کش کی تاب لانے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔
- وہ ''کیا لکھنے'' سے زیادہ ''کیسے لکھنے'' کو پہلے سمجھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔
- ہندوستان کا ''نیا ادب'' جو تھوڑے عرصے میں دو حصوں ''ترقی پسند'' اور ''جدیدیت'' میں تقسیم ہو گیا، عسکری صاحب کا نقطہ نظر ان دونوں کے قریب بھی اور کئی لحاظ سے ان سے مختلف و ممتاز بھی تھا۔

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

- عسکری صاحب ادب میں زندگی کے انکار کے بجائے اثبات کی اہمیت کے قائل ہیں۔
- وہ ترقی پسند ادیبوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی وجہ ترقی پسندوں پر مخصوص اشتراکی و روسی نظریات کا غلبہ قرار دیتے ہیں۔
- تقسیم ہند کے بعد عسکری صاحب نے پاکستانی کلچر اور پاکستانی ادب کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور اپنے تئیں اس کے خدوخال متعین کرنے کی تگ و دو میں مصروف نظر آئے۔
- پاکستانی کلچر کی تشکیل کے لیے ترقی پسندوں نے یہاں کے مقامی دراوڑی، ہڑپائی کلچر کی اہمیت کی بات کی۔
- عسکری صاحب نے پاکستانی کلچر کی تشکیل کی بنیاد ہند اسلامی کلچر کو قرار دیا۔
- عسکری صاحب پاکستانی ادب اور کلچر کی تشکیل کے حوالے سے ترقی پسندوں کے ساتھ ساتھ کچھ اسلامی گروہوں کے بھی سخت خلاف تھے جو پاکستان میں عربی تہذیب کے حامی تھے اور برصغیر میں تشکیل پانے والی تہذیب کو یکسر مسترد کرتے آئے تھے۔
- مغربی ادب میں انگریزی ادب کے بجائے فرانسیسی ادب کو پسند کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
- عسکری صاحب ادب کے ذریعے عرفان ذات کے خواہاں ہیں اور ''انسان اور آدمی'' کا تصور پیش کرتے ہوئے، فرانسیسی ادیبوں کی طرح ''آدمی'' کے طرف دار بنتے ہیں لیکن آخری حصے میں وہ یکسر تبدیل ہو کر ''انسان'' کے حمایتی نظر آتے ہیں۔
- عسکری صاحب کی فکر کی بڑی تبدیلی ۱۹۶۲ء میں نظر آتی ہے جب وہ دین / تصوف کی طرف رخ کرتے ہیں۔
- عسکری صاحب ادب کی ہمیشہ سے مقصدیت کے قائل تھے مگر جذباتیت کے نہیں اس ضمن میں وہ خالص ادب کو مہمل چیز گردانتے ہیں۔
- مغربی تصور روایت جسے وہ ہر آن بدلتی ہوئی مانتے ہیں اور ان کا شروع سے آخر تک کوئی ایک تصور حقیقت نہیں جو مادی دنیا سے آگے دیکھ نہیں سکتی، اسے عسکری صاحب یکسر مسترد کرتے ہیں۔
- ٹی ایس ایلیٹ کے تصور روایت کو بھی اسی لیے مسترد کرتے ہیں کہ جو معاشرہ ہی روایتی نہیں اس میں روایت کا تصور کیسے حقیقی ہو سکتا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

- عسکری صاحب مشرق میں تہذیب کی بنیاد مابعد الطبیعیات کو قرار دیتے ہیں جب کہ مغرب کی بنیاد طبعیات پر ہے۔
- عسکری صاحب اوامر و نواہی کے تابع ایک جماعتی سماجی نظام کے خواہاں نظر آتے ہیں۔

انھیں نکات کے تحت سید سجاد باقر رضوی کے تصورات کا جائزہ لیتے ہوئے ان پر محمد حسن عسکری کے نظریات کے اثرات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

سجاد باقر رضوی (۴/ اکتوبر ۱۹۲۸ء ضلع اعظم گڑھ تا ۱۳/ اگست ۱۹۹۲ء لاہور)

سجاد باقر رضوی کا پیدائشی نام سید اولاد باقر تھا اور آپ اپنی عرفیت "نیّر" کے نام سے گھر میں پکارے جاتے تھے۔ انٹر تک انڈیا سے تعلیم حاصل کی اور پاکستان کراچی یونی ورسٹی سے ایم۔ اے انگریزی اور پنجاب یونی ورسٹی سے ایم اے اردو بعد ازاں کراچی یونی ورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی اردو ۱۹۸۵ء میں کیا۔

آپ کچھ عرصہ لیکچرر انگریزی، یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور (۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۰ء) اور پھر بطور اسسٹنٹ پروفیسر اردو بھی اسی یونی ورسٹی میں تعینات رہے (۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۶ء) اس کے بعد آپ نے بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو بھی اسی یونی ورسٹی میں خدمات سرانجام دیں۔

بھرپور علمی، تہذیبی، اور تخلیقی شخصیت ڈاکٹر سجاد باقر رضوی ایک روادار، تحمل مزاج، اخلاص اور انسان دوستی کے اوصاف سے متصف ایک بڑے ادیب تھے۔ آپ حقیقی معنوں میں وسیع المطالعہ آدمی ہیں اور ان کا مطالعہ محض ادب کے دائرے تک محدود نہیں تھا بلکہ فلسفہ، نفسیات، عمرانیات، سیاسیات، تاریخ اور تصوف تک آپ کی واقفیت کافی سے زیادہ تھی۔ ساتھ ہی اردو اور انگریزی زبانوں پر عبور تھا۔

ہم اپنے موضوع کی مناسبت سے ان کی تنقیدی کاوشوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جائزہ لینے کی کوشش کریں گے تو کیوں نہ ایک نظر ان کی تنقیدی کتب کو دیکھ لیں۔

۱۔ تہذیب و تخلیق (۱۹۶۶ء) مکتبہ ادب جدید لاہور۔

۲۔ مغرب کے تنقیدی اصول (۱۹۶۶ء) مکتبہ کتابیات لاہور۔

۳۔ وضاحتیں (۱۹۸۸ء) اظہار سنز لاہور

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

۴۔ معروضات (۹۸۸ء)اپو لیہ مر پبلی کیشنز لاہور

۵۔ باتیں (۱۹۸۸ء)

۶۔ علامہ اقبال اور عرض حال (۱۹۹۴ء) اقبال اکادمی پاکستان،

باقر صاحب نے جب تنقید کا آغاز کیا تو اس وقت ایک طرف ترقی پسندوں کا غلغلہ تھا دوسری طرف حسن عسکری صاحب کا طوطی بول رہا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ایسے دور میں کوئی تنقید کی طرف آئے اور ان دونوں سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکے اور یہی سب سجاد باقر رضوی کے ساتھ بھی ہوا۔ اگر باقر رضوی صاحب کی ادبی شخصیت پر نظر کیجیے تو ان پر تین اساتذہ کا خصوصی عکس دیکھا جا سکتا ہے یہ تینوں اشخاص اپنے علم و تجربے کے اعتبار سے تعلیم و تدریس اور ادب و تنقید کے میدان میں سر خیل کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں پروفیسر کرار حسین، محمد حسن عسکری اور پروفیسر مجتبیٰ حسین کے نام شامل ہیں۔ انھی کے اثرات سے باقر صاحب نے اپنا فکری نظام ترتیب دیا کس سے کیا اکتساب فیض انھیں میسر آیا اس کے لیے ہم سہیل احمد کے اس اقتباس کو دیکھ لیتے ہیں:

> اس نظام کی تشکیل باقر صاحب کے تین اساتذہ کے زیرِ اثر ہوئی۔ پروفیسر کرار صاحب سے باقر صاحب نے تہذیب کی اہمیت کا درس لیا۔ باقر صاحب کے دوسرے استاد جن کا ان پر گہرا اثر ہے، محمد حسن عسکری ہیں۔ عسکری صاحب سے ایک تو انھوں نے یہ سیکھا کہ تنقید کو قابلِ مطالعہ بھی ہونا چاہیے اور دوسرے ۱۸۵۸ء کے بعد اصلاحی اور افادی رجحانات کی جو مخالفت عسکری صاحب کے ہاں نظر آتی ہے، باقر صاحب نے اس سے گہرے اثرات قبول کیے ہیں۔ ادب اور زندگی کو محض عقل پسندی اور محدود اصلاحی نقطہ نظر سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ چناں چہ باقر صاحب سرسید اور حالی کی عقلیت پسندی کے مقابلے میں اکبر الہ آبادی کے تہذیبی احساس سے زیادہ دل چسپی لیتے ہیں۔ باقر صاحب کے تیسرے استاد مجتبیٰ حسین ہیں۔ بہر حال یہ تین استاد ہیں جن کے اثرات کے تحت باقر صاحب کا تنقیدی نظام بنتا ہے۔ (۱)

باقر صاحب نے اپنی تنقید کا آغاز اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران میں جب وہ اسلامیہ کالج کراچی میں بی۔ اے آنرز کر رہے تھے، فیض احمد فیض صاحب پر مضامین لکھنے سے کیا۔ ان کا پہلا مضمون "فیض اپنے افکار کے آئینے میں" کالج میگزین بابت ۵۲-۱۹۵۱ء شائع ہوا۔ دوسرا مضمون اگلے سال اسی کالج میگزین میں "فیض اور عشق" کے نام سے

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

چھپا اور پھر تیسرا مضمون ساقی کراچی مارچ ۱۹۵۴ء میں ''ادب، روایت اور فیض'' کے نام سے شائع ہوا۔ باقر صاحب کے ہاں افکار و نظریات کی پختگی آنے لگی تھی اور یہ وہ دور ہے جس میں باقر صاحب کی ملاقات پروفیسر کرار حسین صاحب اور محمد حسن عسکری صاحب سے ہو چکی تھی اور ان کے فکری اثرات کی جھلک ان کے ہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فیض صاحب اور ترقی پسندوں کی محبت کے باوجود وہ اپنے ساقی میں چھپنے والے مضمون میں ادب اور روایت کے مستحکم رشتے کو بیان کرتے ہوئے روایت کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اور موجودہ ادب کو ماضی کے ادب کے تناظر میں جانچنے کے معیار کو ضروری تصور کرتے ہیں۔

اپنے ابتدائی تینوں مضامین میں باقر صاحب کی ترجیح فیض صاحب ہیں اور یقیناً یہ ان کی کراچی میں مجتبیٰ حسین، ظہور نظر اور ممتاز حسین کی صحبتوں کا اثر ہے جس سے وہ ترقی پسند تحریک کے خیالات سے متاثر ہوئے۔ لیکن باقر صاحب کی تنقید کا حقیقی دور جس نے باقر صاحب کو ایک وقیع اور بڑا نقاد بننے میں معاونت کی وہ ہے جب آپ محمد حسن عسکری کے توسط سے اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں انگریزی کے استاد مقرر ہو کر کراچی سے لاہور تشریف لائے۔[۲] کیوں کہ یہاں انھیں اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے ادیبوں کا ایک وسیع حلقہ میسر آیا اور حلقہ اربابِ ذوق کے ہفتہ وار جلسوں میں شرکت بھی آپ کی نظر میں وسعت پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

باقر صاحب کو حسن عسکری صاحب کے تلمذ کے طفیل بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ اگرچہ باقر صاحب مزاجاً عسکری صاحب سے بہت مختلف تھے کہ عسکری صاحب تو خاموش طبع، دروں بیں اور مجمع سے بھاگنے والے اور باقر صاحب تو ہر محفل کے روحِ رواں ہوتے، مجمع لگانے اور ہنگامہ پسند طبیعت کے مالک تھے۔ عسکری صاحب ترقی پسندوں کے کٹر مخالف اور باقر صاحب کو عام فیشن کے مطابق ترقی پسندوں کا ہمنوا سمجھا جاتا تھا[۳] لیکن اس تفاوت کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ عسکری صاحب نے انھیں جذب کر لیا۔

عسکری صاحب کے انھی اثرات کے سبب باقر صاحب کے دل میں بھی ان کی اہمیت پوری طرح راسخ ہو چکی تھی وہ آپ کی "جھلکیاں" کے شائع ہونے پر ایک مضمون بہ عنوان ''عسکری صاحب کی جھلکیاں'' میں یوں رقم طراز ہیں کہ ''ان کے لیے عسکری صاحب کو صرف اتنا کہنا کافی نہیں ہے کہ آپ اردو کے صاحبِ بصیرت نقاد اور بڑے ادیب تھے۔ کیوں کہ اس بات کے اہل کئی ایک ادیب تھے اور عصر حاضر میں بھی کئی ادیب موجود ہیں۔ باقر رضوی صاحب کے نزدیک جو بات عسکری صاحب کو سب سے زیادہ مختص کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ادب عسکری صاحب کا طرزِ حیات تھا۔ باقر صاحب کا خیال ہے ایک عہد میں ادبی حوالہ ہی وہ حوالہ تھا جس سے وہ معاشرتی اور تہذیبی رویوں کی افہام و تفہیم

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

کرتے تھے۔ ان کے عہد کی ادبی فضا کچھ ایسی تھی کہ جس نے، ہر قسم کے معاشرتی و سیاسی جبر کے سامنے سینہ سپر ہو گئی تھی، یہ وہی فضا ہے جس نے عسکری صاحب جیسا عظیم ادیب پیدا کیا اور پھر خود عسکری صاحب نے اس فضا کو بر قرار رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسی ادبی حوالے اور ان کے فنی نقطہ نظر نے اکیلے عسکری صاحب کو ایک پوری تحریک کا سب سے بڑا حریف بنا دیا۔ پھر اس ماحول نے دیکھا کہ انھیں ادبی بائیکاٹ، اخلاقی دباؤ، یا ہراساں کرنے کے منفی طریقے، کوئی چیز بھی اپنے موقف سے ہٹا نہ سکی۔ باقر صاحب کہتے ہیں کہ انھیں وہ زمانہ اچھی طرح یاد ہے جب لوگ عسکری صاحب کو رجعت پسندی کے مترادف سمجھنے اور قرار دینے لگے تھے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب کسی فرد واحد کے خلاف ایک پوری تحریک ایک پاؤں پر اُٹھ کھڑی ہو تو تاریخ کا سبق یہی ہے کہ سچائی ہمیشہ فرد واحد کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ ایک بڑے گروہ کے ساتھ۔"(۴)

وہ عسکری صاحب کی اہمیت اور محبت کے دل سے قائل تو تھے ہی، ان کے نظریات اور خیالات سے بھی متاثر ہوئے لیکن آپ دوسرے کئی نقادوں کی طرح عسکری صاحب کے نظریات پر مِن و عن آنکھیں بند کر کے ایمان لانے والوں میں نہیں تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ نے عسکری صاحب کے کئی ایک تصورات کو قبول ضرور کیا تھا۔ ادب اور زندگی کے بارے میں باقر صاحب عسکری صاحب کے تصورات کے زیادہ قریب ہیں۔ زندگی اور فن کو وہ ایک دوسرے کے ملاپ کے بغیر کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تخلیق بہت اہم ہے ایک مختصر سے اقتباس سے جو ان کی تنقیدی کتاب "تہذیب و تخلیق" کے پیش لفظ سے لیا گیا ہے، ان کے خیالات کو دیکھ لیتے ہیں:

> زندگی اور فن کے رابطے میں فن کو جمالیاتی، فکری اور جذباتی توانائی زندگی سے ملتی ہے اور زندگی کو جمالیاتی، اقداری اور تہذیبی دل کشی اور لذت، تنظیم، توازن اور تناسب فن سے حاصل ہوتا ہے... زندگی اور فن دونوں کو (کسی نظریے کے تحت نہیں، بلکہ) زندگی اور فن کے حوالے سے پرکھا اور جانچا جائے۔ وہ اس طرح کہ زندگی میں فن اور فن میں زندگی کی تلاش کی جائے۔ زندگی اور فن میں مشترک قدر ایک ہے، اور وہ ہے تخلیق۔ اگر تخلیق ہے تو زندگی، زندگی ہے اور فن، فن ہے۔ ورنہ سب موت اور بنجر پن ہے۔(۵)

باقر صاحب کا ایک مضمون "ادب اور زندگی کا رشتہ" بڑا اہم ہے جس میں وہ ادب اور زندگی کے باہمی تعلق پر وقیع سوالات اٹھاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ادب اور زندگی کو دو مختلف سطحوں سے سمجھنے اور دیکھنے کے نتیجے میں ہی دو

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

مختلف نظریات سامنے آئے ہیں۔ وہ ''ادب برائے ادب'' اور ''ادب برائے زندگی'' کے نظریات کی دوئی کو اکائی میں تبدیل کرنے کی کوشش کو مستحسن تصور کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''ادب برائے زندگی'' والے ادیب ادب کو زندگی بنانے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ ''ادب برائے ادب'' والے ادیب پوری زندگی کو ادب بنا دینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان تضادات کو حل کرنے اور دوئی کو اکائی میں تبدیل کرنے کی سعی رومانوی ذہن کی خصوصیت ہے۔[۶] معاشرے میں ادب کے کردار کو وہ یوں دیکھتے ہیں کہ ''وہ اجتماعی شعور اور اجتماعی لاشعور کے درمیان رابطہ اور یگانگی قائم رکھتا ہے۔'' باقر صاحب کے نزدیک ادب زندگی کے انتشار کو منظم صورت میں پیش کرتا ہے۔ اس لیے آپ میتھیو آرنلڈ کے اس قول کہ ''ادب تنقید حیات کو پیغمبر'' کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ میتھیو آرنلڈ نے ''ادب کو تنقید حیات بتا کر اس نے ادب اور زندگی کے رشتے کو استوار کیا اور تنقید کو پوری زندگی کی تنقید کے عظیم تر منصب پر فائز کیا۔[۷]

سجاد باقر رضوی کا کہنا ہے کہ ادب اور زندگی کے درمیان رابطہ الفاظ بنتے ہیں اور ایک ادیب الفاظ کے ذریعے ہی معاشرے کو زندگی دے سکتا ہے۔ بلکہ یہاں تک وہ الفاظ کی اہمیت کے قائل نظر آتے ہیں کہ ان کے نزدیک ایک تخلیقی معاشرے کا وجود بھی زندگی بخش اور زندہ الفاظ کے مرہون منت ہوتا ہے۔ جناب حسن عسکری صاحب اپنی تنقید میں ادیب کے لیے نئے الفاظ سیکھنے اور ان کے استعمال پر بہت زور دیتے تھے اور اس بات پر ماتم کناں ہوتے کہ ہمارے ادب میں الفاظ کم رہ گئے تو اس کا مطلب ہے، ہم میں زندگی جینے اور اس کی مختلف کیفیات سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اور اس بات پر دکھ کا اظہار کرتے کہ ہمارے سارے ادب میں محض چار پانچ ہزار الفاظ رہ گئے ہیں جب کہ اس کے مقابلے میں اکیلے شیکسپیئر نے اپنے ادب کو چھبیس ہزار الفاظ عطا کیے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حسن عسکری کے زیرِ اثر الفاظ کی یہ اہمیت باقر صاحب کے ہاں بھی بہت زوروں پر ہے۔ رضوی صاحب کا ماننا ہے کہ[۸] ایک ادیب معاشرے کو اپنے لفظوں کے حوالے سے زندگی عطا کر دیتا ہے۔ یہ ایک ادیب ہی ہوتا ہے جو سوئے ہوئے لفظوں کو نہ صرف جگاتا ہے بلکہ مرے ہوئے لفظوں کو بھی زندگی بخش کر معاشرے میں بیداری پیدا کر دیتا ہے جو کہ اس معاشرے کی زندگی کی ضمانت بن جاتا ہے۔ اس مفہوم و معنی میں ایک ادیب ہی معاشرے کی تعمیر کا ذمے دار ہوتا ہے۔

حسن عسکری صاحب نے اپنے ایک مضمون ''استعارے کا خوف'' میں بڑی تفصیل سے بیان کیا تھا کہ تخلیق کار کے لیے الفاظ، جملے، استعارے اور صنائع بدائع کتنے ضروری ہیں۔ اور وہ ادیبوں کی ان سے بے پرواہی کو ادب کے لیے کبھی موت اور کبھی ادب کا انحطاط قرار دیتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باقر صاحب بھی ان کے استعمال کو ادب کے لیے اتنا

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

ہی اہم اور ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اس ضمن میں باقر صاحب بھی حسن عسکری صاحب سے متفق نظر آتے ہیں کہ جن کا خیال ہے کہ [۹] ہمارے ادب میں کچھ ایسے رجحانات پیدا ہو گئے ہیں جو انسانی رابطوں کی موت کا سبب بن گئے ہیں۔ کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ انسانی رابطوں کو سمجھنا بذات خود اور پھر لفظوں کو ان رابطوں کے حوالے سے استعمال کرنا انتہائی کٹھن کام ہے اور جب معاشرے کے تخلیقی سوتے خشک ہونے لگیں تو تب ہوتا یوں ہے کہ ادیب اپنے لفظوں کی ذمے داری سے بھاگنے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔

آپ کا ماننا ہے کہ زندگی اور ادب کے باہمی تعلق میں لفظ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے مطابق لفظ اپنی طاقت اور توانائی زندگی سے لیتے ہیں مگر ایسی زندگی جس میں خود قوت اور توانائی ہو جب کہ بے وقعت اور زوال آمادہ زندگی میں لفظ اپنی تاثیر حتیٰ کہ معنی تک کھو دیتے ہیں۔ [۱۰] اور لفظ کے اثر سے مردے تک جی اٹھتے ہیں۔ اور ایک ادیب ان کے درست استعمال سے زندگی کے بامعنی اظہار کو ممکن بنا سکتا ہے۔ الفاظ کا کھیل بچوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ یہ دیدۂ بینا کا کام ہے کیوں کہ الفاظ بھی انسان کی طرح زندہ اور احساسات کے حامل ہوتے ہیں اور بہ قول باقر صاحب، ''افراد کی طرح لفظوں کے بھی مزاج، تیور، مطالب، احساسات اور لہجے ہوتے ہیں۔ ان کا زندہ اور صحیح استعمال زندگی پر معنی اظہار اور صحیح سمت کا تعین کرتا ہے۔ [۱۱]

قیامِ پاکستان کے آغاز سے محمد حسن عسکری نے اردو تنقید میں تہذیب و کلچر اور پاکستانی ادب کے مباحث شروع کیے تھے، یوں اردو تنقید نگاروں نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا۔ پاکستانی تہذیب اور قومی تشخص کے خدوخال کو اپنے تئیں متعین کرنے کی کوششیں کیں۔ مذہب کے کردار پر بہت باتیں ہوئیں، کچھ لوگوں نے تہذیب کے تمام پہلوؤں کو مذہب کے تناظر میں جانچنے پر اصرار کیا اور تہذیب کے وہ تمام مظاہر یا عناصر جو اسلامی شریعت سے موافقت نہیں رکھتے انھیں سرے سے باہر کرنے پر زور دیا۔ کچھ لوگ پاکستان کی علاقائی تہذیبوں کو پاکستان کی تہذیب بنانے پر مصر رہے۔ عسکری صاحب کے تصورات پر ہم پچھلے باب میں تفصیل سے روشنی ڈال آئے ہیں۔ یہاں ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ باقر صاحب کے تصورات اس ضمن میں کیا ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ سجاد باقر رضوی نے بھی اپنے کئی ایک مضامین میں اس پر لکھا ہے اور وہ اس بارے میں عسکری صاحب کے حمایتی نظر آتے ہیں۔ پاکستانی تہذیب کی بنیاد کن اصولوں پر مبنی ہو یہ سمجھنے کے لیے ان کے خیالات کچھ یوں ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ [۱۲] وہ پاکستان کی سیاسی سالمیت کو پاکستانی تہذیب کا جسم سمجھتے ہیں جب کہ اس کی تہذیب کو پاکستان کی روح سمجھتے ہیں۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ پاکستانی تہذیب، پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے موجود تھی اور یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ پاکستان تو محض اور محض اس روح کو جسم دینے کے لیے وجود میں آیا۔ کیوں کہ ان کے نزدیک برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا ہی

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

اس لیے تھا کہ مسلمان اپنی تہذیب کا تحفظ ممکن بنا سکیں۔

باقر صاحب پاکستانی تہذیب کے حوالے سے ایک واضح نقطہ نظر رکھتے ہیں ان کا یہ ماننا کہ ''پاکستانی تہذیب'' قیامِ پاکستان سے پہلے موجود تھی۔ پاکستانی تہذیب کی روح کی موجودگی پر ان کا پختہ یقین ہے اور ہاں اس روح کو ایک جسم کی ضرورت تھی جس میں سما کر وہ اپنی نشوونما کر سکے۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ اس روح کی تلاش کیوں کر ہو۔ اس وقت اس سلسلے میں دو آوازیں بڑی طاقت سے اپنا ڈنکا بجا رہی تھیں، ایک یہ کہ بعض لوگ اسے آسمان میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں جنھیں وہ ''آسمانی نظریہ تہذیب'' کہتے ہیں اور اسے پدری اصول بھی مانا جا سکتا ہے۔ ان کے مطابق کسی ایک زمین سے رشتہ رکھے بغیر پوری مسلم اُمّہ سے اپنا تہذیبی رشتہ جوڑا جائے اور یوں وہ پاکستانی تہذیب کو اسلامی تہذیب کا نام دیتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو تہذیب کی روح کو زمین میں تلاش کرتے ہیں اور ''زمینی نظریہ تہذیب'' کے قائل ہیں ان کو آپ مادری یا تخلیقی اصول کہہ سکتے ہیں۔ اور اس حوالے سے وہ سندھ، بنگال، پنجاب، پختونخوا اور بلوچستان کی الگ الگ تہذیب کے قائل ہیں۔ باقر صاحب کے نزدیک ترقی پسندوں کا ماننا یہی ہے کہ پاکستانی تہذیب کچھ نہیں ہے بلکہ یہ علیحدہ علیحدہ اکائیوں کی تہذیب ہے۔ جب کہ دوسری طرف ترقی پسندوں کے تضاد دیکھیے کہ انسانی اقدار اور بین الاقوامی تہذیب کے علم بردار بھی ہیں۔ ترقی پسند ادبا کے اس ذہنی خلفشار کو باقر صاحب کہتے ہیں کہ (۱۳) جب ترقی پسند ادیب عسیدی طور پر سوچتے ہیں تو پھر مقامی ی عصبات سے آگے نہیں بڑھ پاتے، اور جب وہ تجریدی طور پر سوچتے ہیں تو پھر سیدھے بین الاقوامیت کے لق و دق صحرا میں گم ہو جاتے ہیں، جہاں یورپ اور امریکا کے متعین کردہ راستوں پر چلتے ہوئے اردو زبان کے لیے رسم الخط ہی بدل دینے کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رومن رسم الخط ہی اردو کے لیے سب سے مفید رہے گا۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ گلاب، چنبیلی اور موتیا کے پھولوں کی جگہ (ٹھیٹ امریکی فیشن میں) گھر کو ناگ پھنی کے کانٹوں سے آراستہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اردو غزل کو تو دورِ انحطاط کی تخلیق کہتے ہیں جب کہ انگریزی اور فرانسیسی شاعری تو ان کے لیے پسندیدہ بن جاتی ہے۔ سعدیؔ اور حافظؔ ان کے لیے اجنبی اور غیر ملکی شاعر قرار پاتے ہیں اور فارسی زبان بھی بدیسی زبان ٹھہر کر رد کر دی جاتی ہے۔ اس نقطۂ نظر میں باقر صاحب حسن عسکری کے خیالات سے متفق نظر آتے ہوئے ترقی پسندوں پر طنز کرتے ہیں۔

پاکستانی کلچر اور تہذیب کے حوالے سے باقر صاحب ترقی پسند تحریک کے خیالات سے بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں اور اس ضمن میں وہ حسن عسکری صاحب کے خیالات سے پوری طرح متفق ہیں۔ باقر صاحب نے پاکستان کے کلچر

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

اور روایات پر لکھا بھی بہت کچھ ہے مگر بنیادی طور پر وہ عسکری صاحب کے تصورات سے متاثر ہیں عموماً انھیں کے خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں۔ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی نئے حالات نے ہمارے اندر ایک نیا طرزِ احساس پیدا کر دیا ہے اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسا ادب تخلیق ہو جو پاکستانی تہذیب اور پاکستانی طرزِ زندگی کا ترجمان ہو۔ باقر صاحب کا کہنا ہے کہ قومی طرزِ احساس کو پاکستانی تہذیب اور اردو ادب کی مکمل طور پر سابقہ روایت سے جوڑے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔

ان کا ماننا ہے کہ نئے طرزِ احساس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم کوئی نیا نظریہ اپنائیں یا پھر مغربی ادب کے حوالے سے پاکستان میں کوئی نئی تحریک چلائیں۔ اگرچہ ہمارے نظریات کچھ بھی ہوں مگر ایک بات ضروری ہے کہ ''پاکستانی تہذیب اور اردو ادب کی ساری سابقہ روایات ہماری وہ بنیادیں ہیں جن کی طرف ہمیں رجوع کرنا چاہیے۔''(۱۴) باقر صاحب کو ادیبوں سے یہ گلہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد انھوں نے نئی معاشی و اقتصادی اور نئی سیاسی و معاشرتی صورتِ حال کے تقاضوں کو مدِ نظر نہیں رکھا اور نہ ہی اس طرف کوئی توجہ دی گئی ہے کہ پاکستان کی تہذیبی بنیادوں کو استوار اور مستحکم کیا جائے۔ وہ ترقی پسندوں سے بھی بار بار شکوہ کناں ہیں کہ انھوں نے بین الاقوامی تہذیب کا پرچار بھی کیا، انھوں نے پاکستان کی علاقائی تہذیبوں کا پرچار بھی کیا لیکن پاکستانی تہذیب کا کوئی واضح خاکہ یا تصور اختیار کرنے سے قاصر رہے۔ باقر صاحب اپنے مضامین میں اپنی سابقہ تہذیبی روایات سے استفادے پر زور دیتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کا کہنا ہے کہ(۱۵) اگر ہم پچھلی روایات کی طرف جاتے ہیں اور اپنے پرانے طرز اظہار کو کھنگالنے میں محو ہوتے ہیں تو اس کا سیدھا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اپنی تہذیبی بنیادوں کو ڈھونڈنے اور انھیں پھر سے استوار کرنے کے خواہاں ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو گا کہ ہم اپنے جذباتی پیمانوں کو پہچان رہے ہیں۔ ان کی ٹھیک سے شناخت کر رہے ہیں اور یہی شناخت حقیقت میں خود شناسی بن جائے گی۔ باقر رضوی صاحب کا خیال ہے کہ نئے طرزِ اظہار اور مغرب کی نقالی کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم حیران کرنے کی یا چونکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن در حقیقت اس حیرانی میں ہم اتنے کھو گئے ہیں کہ اب ہم یہ تک بھی بھول گئے ہیں کہ محبت اور نفرت کا اظہار بھی کرنا ہے تو کس طرح کرنا ہے۔ ہم بھول گئے ہیں کہ ہمارے جذبات و احساسات کی شناخت کیا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم آہستہ آہستہ اپنی ذات کو اور اپنے آپ کو بھولتے جا رہے ہیں۔

باقر صاحب کو اپنی تہذیبی شناخت کے مٹنے کا دکھ ہے لیکن احساس بھی ہے کہ ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا۔ وہ اس صورت حال میں سر سید احمد خان صاحب اور علی گڑھ تحریک کی ساری کوششوں کے دل سے بہت قائل ہیں کہ علی گڑھ یونی ورسٹی کو ''مسلمانانِ ہند کی بچی کھچی تہذیبی زندگی کا محافظ'' سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ سر سید احمد کو

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

انگریزی تہذیب کو ہندوستان میں تقویت دینے والوں میں شمار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انھی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایسا احساسِ کمتری ملا جس سے چھٹکارا پانے میں وہ آج تک کامیاب نہ ہو سکے۔[۱۶] اسی بنا پر باقر صاحب کلچر کے حوالے سے حسن عسکری صاحب کے خیالات کے حامل ہیں۔ انھیں بھی عسکری صاحب کی طرح محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے تہذیبی ورثے میں تاج محل بھی شامل ہے۔ ہماری روایتی کلاسیکی شاعری بھی پاکستان کے تہذیبی ورثہ میں شامل ہے تو دوسری طرف مغربی کلچر کے وہ عناصر بھی ہماری تہذیب کا حصہ شمار ہونے چاہییں جو اب تک ہمارے معاشرے میں سرایت کر رہے ہیں۔

باقر صاحب نے روایت کے حوالے سے بھی اپنے کئی ایک مضامین میں اظہار خیال کیا ہے، اس سلسلے میں وہ عسکری صاحب سے متاثر ضرور ہیں لیکن ان کا مجموعی جھکاؤ ٹی ایس ایلیٹ کی طرف زیادہ ہے۔ مختصر یہ کہ سجاد باقر رضوی اپنی تنقید میں اعلیٰ معیار قائم رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ ان پر سب سے زیادہ اثرات حسن عسکری صاحب کے ہیں انھوں نے عسکری صاحب کے تصورات کے ضمن میں بہت کچھ لکھا ہے اور بہت سی باتوں سے اتفاق بھی کرتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنی رائے رکھتے ہیں اور جہاں انھیں محسوس ہوا کہ عسکری صاحب یہاں درست نہیں تو ان سے کھل کے اختلاف بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ باقر صاحب کی ادبی شخصیت گوناگوں ہے وہ ایک اچھے شاعر ہیں، مترجم ہیں، محقق ہیں اور صاحبِ رائے نقاد بھی، اگرچہ ہمارے موضوع کی مناسبت و تحدید نے ہمیں ان کی صرف تنقیدی کاوشوں تک محدود رکھا۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان، ''سجاد باقر رضوی پر گفتگو''، تقریب منعقدہ پاک ٹی ہاؤس ۲۵ دسمبر ۱۹۹۱ء، مطبوعہ ماہ نامہ ''سیلاب'' لاہور، مارچ ۱۹۹۲ء ص ۲۳، ۲۴

۲۔ ڈاکٹر عارف ثاقب، ''سجاد باقر رضوی کی ادبی خدمات''، (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء) ص ۱۴۵

۳۔ سجاد باقر رضوی، ''عسکری صاحب''، مشمولہ ''معروضات''، (لاہور: لیمرز پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۲۶

۴۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، ''عسکری صاحب کی جھلکیاں''، مشمولہ ''محمد حسن عسکری ایک عہد آفریں نقاد''، مرتبہ اشتیاق احمد، (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء) ص ۹۹

۵۔ سجاد باقر رضوی، ''پیش لفظ'' مشمولہ ''تہذیب و تخلیق''، (لاہور: مکتبہ ادب جدید، ۱۹۶۶ء)، ص الف، ب

۶۔ ایضاً، ''ادب اور زندگی کا رشتہ''، مشمولہ ''تہذیب و تخلیق''، ص ۴

۷۔ ایضاً، '' ھیو آرنلڈ، مغرب کے تنقیدی اصول''، (لاہور: کتابیات، ۱۹۶۶ء) ص ۲۶۳

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

۸۔ ایضاً، ''ادیب اور ہمارا عہد''، مشمولہ ''تہذیب و تخلیق''، ص۴۶
۹۔ ایضاً ص۴۶، ۴۷
۱۰۔ سجاد باقر رضوی، ''الفاظ کی توانائی اور غالب''، مشمولہ ''معروضات''، ص۵۶
۱۱۔ سجاد باقر رضوی، ''زندہ لفظ''، مشمولہ ''باتیں''، (لاہور: منیب بک ڈپو، ۱۹۸۸ء) ص ۲۴
۱۲۔ سجاد باقر رضوی، ''پاکستانی تہذیب کا مسئلہ ''مشمولہ ''تہذیب و تخلیق''، ص۷۰، ۷۱
۱۳۔ ایضاً ص ۷۲
۱۴۔ سجاد باقر رضوی، ''آج کا طرزِ احساس''، مشمولہ ''تہذیب و تخلیق''، ص۱۲۷
۱۵۔ ایضاً
۱۶۔ ڈاکٹر عارف ثاقب، ''سجاد باقر رضوی کی ادبی خدمات''، ص۱۸۹

بآحدِ .

۱۔ ثاقب، عارف، ڈاکٹر، ''سجاد باقر رضوی کی ادبی خدمات''، لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء
۲۔ رضوی، سجاد باقر، ڈاکٹر، ''عسکری صاحب''، مشمولہ ''معروضات''، لاہور: لیہ مر پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء
۳۔ ـــــــ، ''عسکری صاحب کی 'جھلکیاں''، مشمولہ ''محمد حسن عسکری ایک عہد آفریں نقاد''، مرتبہ اشتیاق احمد، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء
۴۔ ـــــــ، ''پیش لفظ'' مشمولہ ''تہذیب و تخلیق''، لاہور: مکتبہ ادب جدید، ۱۹۶۶ء
۵۔ ـــــــ، '' ھیو آرنلڈ، مغرب کے تنقیدی اصول''، لاہور: کتابیات، ۱۹۶۶ء
۶۔ ـــــــ، ''زندہ لفظ''، مشمولہ ''باتیں''، لاہور: منیب بک ڈپو، ۱۹۸۸ء

رسائل و جرائد

۱۔ ماہ نامہ ''سیلاب'' لاہور، مارچ ۱۹۹۲ء